اسلام کا معاشی نظام

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا معاشی نظام

اسلام چاہتا ہے کہ انسان کی زندگی معاشی طور پر خوش حال ہو۔ وہ ایسے حقوق عطا کرتا ہے اور اس کے لیے اجتماعی حالات پیدا کرتا ہے کہ اجتماعی خوش حالی حاصل ہو اور کوئی فرد خستہ حال نہ رہے لیکن دنیا میں گزرنے والی عمر، انسانی زندگی کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ زندگی اس کے بعد بھی جاری رہے گی، لہٰذا انسان کا مقصود ایسی فلاح و سعادت کا حصول ہونا چاہیے کہ، جو صرف دنیا کی زندگی تک محدود نہ ہو بلکہ آخرت پر بھی حاوی ہو۔ یہی بات اسلام کے معاشی نظام کو دوسرے نظاموں سے ممتاز کرتی ہے۔ کیوں کہ ان نظاموں میں اعلیٰ ترین مقام دنیوی زندگی کی ماڈی قدروں کو حاصل ہے جب کہ اسلام میں ماڈی قدریں اُن اعلیٰ تر اخلاقی قدروں کے تابع ہیں، جو انسانوں کے آقا پروردگار کی مرضی کی اور حقیقی فلاح کے فطرتِ انسانی پر مبنی تقاضوں کی تعبیریں ہیں۔ اسلام کے معاشی نظام کی اس خصوصیت نے اسے زندگی کے دوسرے اہم پہلوؤں مثلاً روحانی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر رکھا ہے۔ پورے اسلامی نظامِ زندگی میں فکر، مزاج اور منہاج کے اعتبار سے مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

زندگی کے معاشی پہلو کے بارے میں اپنے اس نقطۂ نظر کے مطابق، جس میں دنیا آخرت سے، معاشی زندگی، زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے اور فرد پورے انسانی معاشرے سے مربوط ہے، اسلام نے معاشی جدوجہد کے پسندیدہ مقاصد کی نشان دہی کی ہے۔ افراد کو مالکانہ حقوق عطا کیے ہیں اور کاروبار کی آزادی دی ہے۔ معاشرے میں ایفائے عہد، عدل و انصاف اور تعاون کی قدروں کو رائج کیا ہے اور ریاست پر اجتماعی کفالت اور معاشی تعمیر و ترقی کے سلسلے

میں متعین ذمّے داریاں عائد کی ہیں۔ ساتھ ہی اس نے معاشی سرگرمی کے ناپسندیدہ مقاصد کی مذمت کی ہے، ملکیت اور کاروبار کے حقوق کو چند آداب وحدود کا پابند بنایا ہے اور انفرادی آزادی اور اجتماعی مفادات ومصالح کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے لیے چند اصول مقرر کیے ہیں۔

معاشی جدوجہد کی پسندیدگی

عام طور پر مذہب کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خوش حالی کی طلب اور معاشی جدوجہد کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ ایک ناگزیر برائی سمجھ کر محض گوارا کرلیتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ایسا خیال کرنا بالکل غلط ہوگا۔ کائنات کے جملہ وسائل اللہ تعالیٰ نے انسان کے استفادے کے لیے پیدا کیے ہیں اور انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ کھلے دل سے قدرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ضروریات پوری کریں اور ایک آسودہ مگر بامقصد زندگی گزارنے کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط
(الاعراف:۱۰)

''ہم نے تمھیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمھارے لیے یہاں سامانِ زیست فراہم کیا۔''

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق (البقرہ:۲۹)

''وہی اللہ ہے، جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے بنایا ہے۔''

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط (سبا:۱۵)

''اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ۔''

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط (الاعراف:۳۲)

''(اے محمدؐ!) ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کردیا، جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کردیں؟''

مال قیامِ حیات کا ذریعہ ہے:

اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النساء:۵)

''تمھارے وہ اموال، جن کو اللہ نے تمھاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔''

اور اسے حاصل کرنا چاہیے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ:۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل ڈھونڈو۔''

نبی ﷺ نے یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ مال نیکی اور بھلائی میں مددگار ہوسکتا ہے۔

نعم العون علیٰ تقوی اللّٰه المال (مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۱۹)

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے میں مال بڑا اچھا مددگار ہے۔''

اور آرام دہ زندگی کے مادّی وسائل پسندیدہ اور مطلوب ہیں:

من سعادة المرء المسکن الواسع والجار الصالح والمرکب الهنيئ (بخاری: الادب المفرد۔ ص ۶۷)

''وسیع مکان، نیک پڑوسی، اور عمدہ سواری آدمی کی بہبودی میں داخل ہیں۔''

اس کے برعکس بھوک اور افلاس و تنگ دستی انسانی فلاح کے دشمن ہیں، جس سے بچنے کی کوشش ضروری ہے۔ نبی ﷺ دعا فرماتے تھے۔

اللّٰهم انی اعوذ بک من الجوع۔ (نسائی، کتاب الاستعاذہ)

''خدایا میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

اللّٰهم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة

(بخاری، الادب المفرد۔ صفحہ ۹۹)

''خدایا میں فقر، افلاس اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں....۔''

آپؐ نے واضح فرمایا ہے کہ روزی کمانا ہر ایک کے لیے ضروری ہے:

طلب کسب الحلال فریضةٌ بعد الفریضة (مشکوٰۃ، کتاب البیوع)

''حلال روزی کمانے کی کوشش فریضہ (نماز) کے بعد ایک فریضہ ہے۔''

معاشی جدوجہد کے مقاصد میں جہاں اپنی ضرورت اور اپنے اہلِ خاندان کی ضروریات کی تکمیل کو اہم سمجھا گیا ہے۔ وہاں مستقبل کے لیے پس انداز کرنے اور اپنے بعد کچھ ترکہ چھوڑ جانے کو بھی معقول مقاصد شمار کیا گیا ہے۔ پسندیدہ مقاصد میں سے ایک اہم مقصد خدمتِ خلق اور خدمتِ دین، یا زیادہ جامع الفاظ میں ''فی سبیل اللّٰہ'' مال خرچ کرنے کا مقصد

بھی ہے۔ انھی مقاصد کے پیشِ نظر اسلام میں دولت کمانے پر کوئی مطلق حد نہیں عائد کی گئی ہے۔ سماجی خدمت اور راہِ خدا میں کیے جانے والے کاموں کا میدان لامحدود ہے اور جدو جہد کے لیے وسیع ترین مواقع فراہم کرتا ہے۔ رہیں صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت وغیرہ سے متعلق وہ سرگرمیاں، جو سماج کی معاشی زندگی کے لیے ناگزیر ہوں تو ان کا بجالانا افراد کے لیے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔ جو افراد ان کے لیے ضروری استعداد اور وسائل رکھتے ہوں انھیں آگے بڑھ کر ان کو انجام دینا چاہیے تاکہ متعلقہ اجتماعی مصالح محفوظ رہیں۔ چناں چہ امام ابن تیمیہؒ اپنے زمانے یعنی چودھویں صدی عیسوی کی بعض بنیادی صنعتوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:

''متعدد فقہاے اسلام مثلاً شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے ساتھیوں اور دوسرے مفکرین مثلاً ابوحامد الغزالی اور ابوالفرج الجوزی وغیرہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ ساری صنعتیں فرض کفایہ ہیں۔ کیوں کہ ان کے بغیر مصالح عامہ کا تحفظ ممکن نہیں۔'' (الحسبہ فی الاسلام صفحہ ۱۷)

امام نووی اور حنفی فقیہ ابن عابدین شامی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

پسندیدہ مقاصد کے لیے معاشی جدو جہد جو محض دوسروں کی ریس میں ہو، یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کے لیے کی جائے، یا جس کے ذریعے عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی زندگی بسر کرنا مقصود ہو، گناہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

من سعی علی التکاثر فھو فی سبیل الشیطان

(طبرانی: معجم صغیر باب ۲)

''جو زیادہ سے زیادہ دولت کی حرص میں مصروف عمل ہو وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔''

ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہ۔ (سنن دارمی: کتاب الرقاق)

''آدمی کے دین کے لیے مال اور جاہ کی حرص اس سے زیادہ تباہ کن ہے جتنا بکریوں کے ریوڑ میں دو بھوکے بھیڑیوں کو چھوڑ دینا۔''

انفرادی ملکیت اور آزادیِ کاروبار

اللہ تعالیٰ نے، جو کائنات کی تمام اشیاء یہاں تک کہ خود انسان اور اس کی قوتِ عمل کی واحد حقیقی مالک ہے، انسان کو ملکیت کے حقوق عطا کرکے پسندیدہ مقاصد کے لیے کی جانے والی

جدوجہد کی ہمت افزائی کی ہے۔ لیکن ان حقوق کی نوعیت اصل مالک کا نائب بن کر اس کی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کے حق کی ہے۔ اسلام میں انفرادی ملکیت کا حق مطلق اور بے قید نہیں بلکہ چند مقاصد کے تحت، چند فرائض سے وابستہ اور چند حقوق کا پابند حق ہے۔ یہ حق اشیائے صرف کے سلسلے میں بھی ہے اور وسائلِ پیداوار مثلاً زمین، مشینوں اور کارخانوں کے سلسلے میں بھی ہے۔ فرد کے ساتھ ہی اجتماع اور ریاست کو بھی مالکانہ حقوق دیے گئے ہیں اور ریاست کو انفرادی حقوقِ ملکیت کا نگراں اور محاسب بنا کر اہم اجتماعی مقاصد کے تحت ان حقوق میں مداخلت، ان کی تحدید اور بعض حالات میں ان کو سلب کر لینے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔

انفرادی ملکیت کا یہ محدود حق اسلامی نظامِ زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فرد کا اخلاقی اور روحانی ارتقاء اس حق کا متقاضی ہے۔ اس حق کے بغیر اسلام کا شورائی سیاسی نظام نہیں قائم ہوسکتا، نہ مساوات اور تعاون کی معاشرتی قدریں اس کے بغیر شرمندۂ تعبیر ہوسکتی ہیں۔ اسلام اس فلسفے کو غلط سمجھتا ہے کہ انسانی سماج سے استحصالِ بے جا کے ازالے کے لیے ذرائع پیداوار کی مکمل اجتماعی ملکیت ناگزیر ہے، جیسا کہ سوشلزم کا خیال ہے۔

انسانی زندگی کے مشترکہ مفادات کے متعلق بعض وسائل پر اسلام نے انفرادی ملکیت ممنوع قرار دی ہے۔ مثلاً دریا، پہاڑ، فضائے بسیط اور تمدّنی وسائل میں سے سڑکیں، پل وغیرہ۔ عام اشیاء پر کسی بھی انسان کی ملکیت قائم ہوسکتی ہے۔ ملکیت کے جائز ذرائع ہیں جہاں خرید کر حاصل کرنا یا ورثے میں پانا شامل ہے وہاں غیر مملوکہ مباح چیزوں پر قبضہ اور اپنی ملکیت سے قدرتی طور پر نمودار ہونے والے ثمرات بھی شامل ہیں۔ جنگل کی لکڑیاں اور جانور، خودرو نباتات، دریاؤں اور سمندروں کا پانی، مچھلیاں اور دوسری چیزیں، سطحِ زمین پر کھلی ہوئی کانیں، پہاڑوں کے پتھر اور افتادہ زمینیں وہ مباح وسائل ہیں، جن میں سے ہر فرد کو اس حد تک اپنی ملکیت میں لے لینے کا اختیار ہے، جس حد تک وہ مفید استعمال میں لاسکتا ہو۔ البتہ باہمی نزاع کے سدّباب کے لیے ریاست اس حق کے استعمال کو چند آداب وحدود کا پابند بناسکتی ہے۔ نیز کسی کو محض قبضہ کرکے ڈال رکھنے اور استعمال میں نہ لانے کا حق نہیں۔

اسلام مملوکہ اشیاء پر استعمال وتصرف کا حق تسلیم کرتا ہے مگر مال کو ضائع کرنے اسے غیر شرعی مصارف پر صرف کرنے یا اسراف اور عیش کوشی کا ذریعہ بنانے کا حق نہیں دیتا۔ مردوں کے لیے ریشمی کپڑے اور سونے کے استعمال، مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سونے اور

چاندی کے برتنوں کے استعمال، نیز جوا، شراب، زنا اور رقص و سرود کو حرام کر کے اسلام نے عیش و عشرت کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔ اسلام کسی فرد کو اپنی ملکیت کے لیے ایسے استعمال کا حق نہیں دیتا، جس سے دوسروں کو نمایاں تکلیف پہنچے۔ ہر مالک کو حق ہے کہ اپنی ملکیت کو مزید دولت کمانے کے لیے استعمال کرے اور تجارتی، زرعی یا صنعتی کام خود کرے یا کسی کے ساتھ مل کر انجام دے۔ اپنا مال نفع میں شرکت کے اصول پر کاروبار کے لیے کسی دوسرے کو دے یا اپنی جائداد کو کرایہ پر دے۔ لیکن یہ حقوق بھی چند آداب و حدود کے پابند ہیں۔ اسلام راست بازی، امانت داری اور دیانت کی تلقین کرتا ہے۔ دھوکہ فریب سے اجتناب، ملاوٹ کرنے سے پرہیز اور ناپ تول ٹھیک رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ دام بڑھانے کے لیے ذخیرہ اندوزی (احتکار) اور مصالح عامہ کو مجروح کرنے والی اجارہ داری کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ دام بڑھانے کے لیے جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جاسکتا، نہ کسی کی شدتِ احتیاج سے فائدہ اٹھا کر من مانے دام وصول کیے جاسکتے ہیں۔ ایسے کاروباری معاملات پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، جو لاعلمی یا عدمِ تعین کی وجہ سے فریقین کے درمیان جھگڑے کی بنیاد بن سکتے ہوں، یا جن کے فوائد کا انحصار بخت و اتفاق پر ہو۔ جوا حرام ہے اور وہ تمام معاملات بھی، جن میں قمار کا عنصر غالب ہو۔ افراد کو چاہیے کہ ذاتی نفع کی خاطر ایسے طریقے نہ اختیار کریں، جن سے دوسرے افراد کے مفادات مجروح ہوتے ہوں، بلکہ ایسی راہ اختیار کریں، جس میں اپنے فائدے کے ساتھ دوسروں کا بھی بھلا ہو۔ اسلام افراد کو ایک دوسرے کا حریف اور مخالف بن کر رہنے کے بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر ابھارتا ہے کیوں کہ خاندان انسانی میں باہمی تعلق کی فطری بنیاد یہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الخلق کلھم عیال اللّٰہ فاحبّ الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ (مشکوٰۃ، باب الشفقة و الرحمة علی الخلق)

"ساری مخلوق خدا کی عیال ہیں اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے، جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔"

کونوا عباد اللّٰہ اخوانا (ابن ھشام، سیرۃ جلد ۳ صفحہ ۷۶ (خطبہ حجۃ الوداع) بولاق ۱۲۹۵ھ)

"اللہ کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔"

انا شهید انّ العباد کلّهم اخوة۔ (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ)

''میں گواہ ہوں کہ سارے بندگانِ خدا بھائی بھائی ہیں۔''

اسلام نے مالک کو اپنے مال کے تحفظ کا حق دیا ہے مگر بخل اور کنجوسی کی سخت مذمت کی ہے، اور اکتناز یعنی دولت کو جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ فاضل دولت، جس کا خود کام نہ ہو عام انسانوں پر خرچ کر دینی چاہیے۔

وَ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ط (البقرہ:۲۱۹)

''یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (راہِ خدا میں) کتنا خرچ کریں؟ کہیے جو کچھ (تمھاری اپنی ضرورت سے) فاضل ہو۔''

یا ابن اٰدم لک ان تبذل الفضل خیر لّک و ان تمسکه شرٌ لک (مسلم، کتاب الزکاۃ)

''اے آدم کے بیٹے تیرے لیے اپنے فاضل مال کا (راہِ خدا میں) خرچ کر دینا بہتر ہے اور اسے روک رکھنا برا ہے۔''

حقوقِ ملکیت کے ساتھ کچھ فرائض بھی وابستہ ہیں۔ ذاتی ضروریات کی تکمیل کے بعد فرد کی پہلی ذمّے داری یہ ہے کہ اپنے نادار اور محتاج رشتے داروں کی کفالت کرے۔ ہر وہ رشتے دار جو، اگر ترکہ چھوڑ جائے تو آپ اس کے وارث ہوں، وہ اگر اپنی زندگی میں دوسروں کی کفالت کا محتاج ہو تو آپ بھی اس کی کفالت کے ذمّے دار ہیں اور یہ ذمّے داری اُسی نسبت سے عائد ہوتی ہے، جس نسبت سے آپ کو اس کے ترکے میں سے حصہ ملتا۔ نفقاتِ واجبہ کے علاوہ مال دار افراد کی ایک قانونی ذمّے داری زکوٰۃ ہے۔ مہمان کی ضیافت اور محتاج سائل کی امداد بھی فرض ہے۔ اگر کسی محتاج کی جان بھوک، سردی یا کسی بنیادی ضرورتِ زندگی کی عدمِ تکمیل کے سبب خطرے میں ہو تو اس کی ضرورت پوری کرنا ہر اس فرد کا فرض ہے، جو خود اس خطرہ سے باہر ہو۔ اسلام چاہتا ہے کہ خاندانِ انسانی کے تمام افراد کی ضروریات بہ ہر حال پوری ہوتی رہیں قطع نظر اس سے کہ کون فرد مال دار ہے اور کون محروم۔ کیوں کہ وسائلِ حیات قیامِ حیات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ایک آیت قرآنی کا یہ ٹکڑا صراحت کرتا ہے کہ ''**اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیٰمًا**'' (النسآء:۵) ''تمھارے وہ اموال، جن کو اللہ نے تمھاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔''

آگے بڑھنے سے پہلے یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ ملکیت کے حقوق اور کاروبار کی

آزادی نسل، رنگ زبان، مذہب، طبقہ اور صنف کی بنیاد پر کسی تفریق کے بغیر تمام افرادِ انسانی کے لیے ہیں۔ اسلام نے ان بنیادوں پر کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا ہے۔ اس نے عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی کوئی تفریق نہیں برتی ہے۔ نہ حقوقِ ملکیت میں نہ آزادیِ کاروبار میں۔ رہی یہ بات کہ میراث کی تقسیم میں عورت کا حصہ مرد کا آدھا رکھا گیا ہے تو اس کی وجہ صنفی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں بلکہ یہ ہے کہ عورت کی معاشی ضروریات کی تکمیل بیشتر حالات میں کسی نہ کسی مرد کی قانونی ذمے داری ہوتی ہے۔ پہلے باپ کی پھر شوہر کی۔ مزید برآں مرد اور عورت مل کر، جو خاندان بناتے ہیں اس میں بچوں کی کفالت بھی اصلاً مرد کی ذمے داری ہے۔

فریضۂ زکوٰۃ

اسلام نے اجتماعی طور پر بھی اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ انفرادی معاشی سرگرمیاں انسانی مفادات و مصالح کی خادم بنی رہیں، چناں چہ اسلامی نظام میں اجتماع اور ریاست ان مصالح کی ترویج میں ایک فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی اہمیت ظلم اور ضرر رسانی کے انسداد اور عدل و انصاف کے رواج کو حاصل ہے۔ اس کام میں اسلام کے روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی نظام بھی اہم حصے لیتے ہیں لیکن یہاں ہم معاشی نظام کی نسبت سے صرف دو اہم قوانین کا ذکر کریں گے۔ یعنی زکوٰۃ کی فرضیت اور سود کی حرمت۔ یہ دونوں قوانین اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں اور اس کا مزاج متعین کرنے میں بڑا دخل رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ کے بارے میں کوئی اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو کہ یہ اس قسم کی خیرات یا دان پن ہے، جس کا ذکر دوسرے مذاہب کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ یہ مال دار افراد کے مال میں ناداروں کا لازمی حق ہے:

فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

(المعارج: ۲۴، ۲۵)

”ان کے اموال میں سائل اور محتاج کے لیے ایک مقررہ حق ہے۔“

یہ غلط فہمی بھی نہ ہو کہ یہ اس قسم کا ٹیکس ہے، جو ہر اجتماعی نظام میں مال داروں سے وصول کیا جاتا ہے تاکہ حکومت کے مصارف پورے کیے جا سکیں۔ زکوٰۃ مصارفِ حکمرانی کی تکمیل کے لیے عائد کیے جانے والا ٹیکس نہیں بلکہ سماج کے ناداروں کا حق ہے، جو انھیں منتقل کر دیا جائے گا۔

...اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ

اَغۡنِیَاءِ هِمۡ وَ تُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِ هِمۡ (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

"...اللہ نے ان پر ان کی دولت میں کچھ صدقہ فرض کیا ہے، جو ان میں سے مال داروں سے وصول کیا جائے گا اور ان کے غریبوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔"

یہ ٹیکس نہیں عبادت ہے، جس کا اصل مقصد مال داروں کی تربیت و تزکیہ ہے۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا (توبہ:۱۰۳)

"اے نبیؐ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں انھیں آگے بڑھاؤ۔"

مال کی اکثر اقسام قابل زکوٰۃ ہیں۔ مثلاً نقد سرمایہ اور سونا چاندی، مال تجارت، زرعی پیداوار، مویشی، معدنی دولت وغیرہ۔ زکوٰۃ کی شرحیں اور مال کی وہ کم سے کم مقدار، جس کے مالک پر زکوٰۃ فرض ہوگی، شریعت نے متعین کردی ہیں۔ زکوٰۃ کی معاشی اہمیت یہ ہے اس کے ذریعے ہر سال سماج کی دولت کا ایک حصہ مال داروں سے ناداروں کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اسلام اگرچہ تقسیم دولت میں کامل مساوات کا قائل نہیں ہے۔ لیکن استعداد اور مواقع کی قدرتی تقسیم غیر مساوی ہونے کے پیشِ نظر انسانی سماج مستقل طور پر اس بات کا محتاج ہے کہ تقسیم دولت میں عدمِ مساوات کم کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اسلام کا قانون زکوٰۃ یہی کام کرتا ہے اور یہی کام اس نے اپنے ضابطۂ میراث سے بھی لیا ہے۔ اگرچہ ضابطۂ میراث کا دائرۂ عمل خاندان اور برادری تک محدود رہتا ہے۔ لیکن ہر خاندان اور برادری میں تقسیم دولت کے اندر ہمواری پیدا کرنا پورے معاشرے کے لیے دوررس نتائج کا حامل ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس مرنے والے کا کوئی شرعی وارث نہ ہو اس کا ترکہ پورے سماج کو فائدہ پہنچانے کے لیے ریاست کے بیت المال میں داخل کرلیا جاتا ہے۔

حرمتِ سود

زکوٰۃ معاشی زندگی میں باہمی تعاون کی ایک قانونی شکل ہے۔ مادّہ پرست انسانوں کی خودغرضی نے روحِ تعاون کے خلاف ایک طریقہ یہ نکال رکھا ہے کہ دولت مند افراد اپنے فاضل سرمایے کو قرض دیں تو اس پر سود وصول کریں۔ اسلام کے نزدیک سود ظلم ہے، جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔

اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ٥
(البقرہ:۲۷۹)

"اگر تم (سودی معاملات سے) توبہ کرلو تو تمھارے راس المال تمھارے ہیں۔ (وہ تم کو ملیں گے) نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔"

ذاتی ضروریات کے لیے، لیے جانے والے قرضوں پر سود کا ظالمانہ پہلو ہر آدمی تسلیم کرلیتا ہے۔ اسے صرف وہی لوگ جائز قرار دے سکتے ہیں، جو حق ملکیت کو اعلیٰ ترین قدر سمجھتے ہوں اور دوسرے تمام انسانی مصالح کو اس پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں، جیسا کہ نظامِ سرمایہ داری کا مزاج ہے۔ لیکن بہت سے لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ جو قرضے پیدا آور صنعتی، زرعی یا تجارتی کاروبار میں لگانے کے لیے لیے جائیں ان پر سود لینا ظلم نہیں ہے۔ مگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ہر کاروبار لازماً نفع پر نہیں منتج ہوتا۔ کاروبار میں عملاً نفع ہو تب سرمایہ لگانے والے کو بھی اس نفع میں سے حصہ ملے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ کاروبار میں تو نقصان ہو مگر سرمایہ دار اپنا پورا سرمایہ بھی واپس لے اور اس پر اضافہ کا بھی مطالبہ کرے۔ سرمایہ کا کاروباری استعمال کسی حال میں نقصان کے اندیشے سے خالی نہیں ہوتا۔ خواہ سرمایہ دار اُس سے خود ہی کاروبار کیوں نہ کرے۔ نقصان کی ذمے داری دوسرے کے سر ڈال دینا اور خود اپنے دیے ہوئے پورے سرمایے کی واپسی کے علاوہ ایک متعین شرح کے مطابق نفع کا بھی طلب گار ہونا دوہری بے انصافی ہے۔ اسی لیے اسلام نے سود حرام کیا ہے خواہ قرض ذاتی ضروریات کے لیے لیا جائے یا کاروباری اغراض کے لیے، خواہ اس کی شرح کم ہو یا زیادہ۔ البتہ اسلام نے سرمایہ کے نفع آور استعمال کی منصفانہ راہیں کھلی رکھی ہیں۔ خود کاروبار کرنے یا کسی کی شرکت میں کاروبار کرنے کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنا سرمایہ نفع میں شرکت کے اصول پر کسی کاروبار کرنے والے کو دیا جائے، یہ مضاربت ہے۔ ایسے کاروبار میں اگر خسارہ ہو تو کاروبار کرنے والا اپنی کاروباری جدوجہد کا کوئی صلہ نہ پائے گا اور سرمایہ دار کو اتنا ہی سرمایہ واپس ملے گا، جو نقصان کے بعد بچ رہا ہو۔ کاروبار میں نقصان بہت سے ایسے اسباب و عوامل کا نتیجہ ہوسکتا ہے، جن پر کاروبار کرنے والے کو کوئی قابو نہیں ہوتا۔ اگر سرمایہ دار خود کاروبار کرنے کے بہ جائے کسی دوسرے کی کاروباری صلاحیتوں پر اعتماد کرتا ہے تو بھی اُسے یہ اندیشہ مول لینا ہوگا، اس سے بچنے کی اسلام کے منصفانہ نظام میں کوئی صورت ممکن نہیں۔ سرمایہ دار اگر اپنے سرمایے میں کمی کا اندیشہ نہیں مول لینا چاہتا تو اُسے نفع کی توقع سے بھی دست بردار ہونا ہوگا۔

انسانی سماج میں دولت اور کاروباری صلاحیتوں کی تقسیم جدا جدا ہے اس لیے ہر معاشی نظام میں اصحابِ سرمایہ سے کاروباری طبقے تک سرمایہ منتقل کرنے کا کوئی طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

ایک طریقہ سود پر مبنی ہے، جو کاروباری طبقے کے ساتھ کھلا ہوا ظلم ہے۔ مزید برآں اس نظام میں سود عام اشیاء کی لاگت کا ایک لازمی عنصر بن جاتا ہے اور اس کا بار بالآخر ان اشیاء کے خریداروں پر پڑتا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے، جو اسلام نے اختیار کیا ہے، یعنی جو اصحاب سرمایہ نقصان کا اندیشہ نہ مول لینا چاہیں وہ غیر سودی قرض دیں اور جو نفع کا طلب گار ہو وہ نفع میں شرکت کے ساتھ نقصان کی ذمّے داری بھی اٹھائے۔ اس طریقے کی خوبی یہ ہے کہ عام خریداروں کو سرمایہ کے غیر پیدا آور استعمال کی کوئی لاگت نہیں ادا کرنی پڑتی اور کاروباری طبقے پر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ سرمایہ داروں کے ساتھ بھی انصاف کرتا ہے کیوں کہ جب ان کا سرمایہ پیداوار میں اضافے کا سبب بن کر نفع کے ساتھ واپس آتا ہے تو انھیں بھی اس کا حصہ ملتا ہے۔ اس حصے کی نسبت مقرر کرنے کے سلسلے میں فریقین کو پوری آزادی حاصل ہے، اور ظاہر ہے کہ جب کاروبار میں زیادہ نفع ہوگا تو سرمایہ دار کو بھی، طے شدہ نسبت کے مطابق زیادہ حصہ ملے گا۔

سود کی حرمت سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں بینکوں کی گنجائش نہیں ہوگی، کیوں کہ بینکوں کا کاروبار کم سود کے وعدے پر سرمایہ جمع کر کے زیادہ سود پر قرض دینے پر مبنی ہے لیکن یہ شبہ بے جا ہے۔ کیوں کہ مضاربت کے اصول پر بھی بینک چلائے جا سکتے ہیں۔ بینک نفع میں شرکت کے اصول پر سرمایہ کاروباری افراد کو فراہم کریں گے اور اس طرح حاصل ہونے والے نفع کا ایک حصہ ان لوگوں کو دیں گے، جنھوں نے بینک میں سرمایہ جمع کیا ہو۔ اگر کسی کاروباری فریق کو بینک کے سرمایے سے کیے جانے والے کاروبار میں خسارہ ہو تو یہ خسارہ بینک کے ذمّے ہوگا۔ لیکن چوں کہ ایک بینک بیک وقت بہت سے کاروباری فریقوں کو سرمایہ فراہم کرے گا اس لیے مجموعی طور پر اسے اپنے کاروبار میں خسارہ نہ ہوگا بالفرض اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو یہ نقصان حسبِ تناسب بینک میں سرمایہ جمع کرنے والوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ غیر سودی بینک کاری میں تھوڑی مدت کے لیے غیر سودی قرضے بھی فراہم کیے جا سکیں گے کیوں کہ عندالطلب واجب الادا کھاتوں (Demand Deposits) پر جس طرح آج کل کوئی سود نہیں دیا جاتا اسی طرح غیر سودی نظام میں بھی نفع کا حصہ نہیں ملے گا۔ اس مد میں ہمیشہ فاضل رقم موجود رہتی ہے، جس کے ایک حصے کو غیر سودی قرض دینے کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔ یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ سود ممنوع ہوگا تو لوگ بچت کرنا اور سرمایہ جمع کرنا چھوڑ دیں گے۔ بچت صرف اس لیے نہیں کی جاتی کہ بچائے ہوئے سرمایے کے ذریعے مزید دولت کمائی جا سکے، اس کے بہت سے دوسرے زیادہ طاقت ور محرکات بھی

ہیں۔ پھر اسلام نے سرمایے کے ذریعے مزید دولت کمانے کی راہیں کھلی رکھی ہیں، صرف اس راہ کو بند کیا ہے کہ سرمایہ دار نقصان کی ذمے داری سے کنارہ کش ہو کر نفع کا طالب ہو۔ نفع کمانے کا رجحان اتنا کم زور نہیں کہ صرف ایک مخصوص راہ بند ہو جانے سے سرد پڑ جائے۔

آج کل سب سے زیادہ قرضے ریاست لیتی ہے۔ یہ قرضے زیادہ تر بڑے سرمایہ داروں سے ملتے ہیں اور ان کا سود آمدنی کے ساتھ بڑھتی جانے والی شرح کے انکم ٹیکس (Progressive Income Tax) اور محصولِ دولت (Wealth Tax) کے ذریعے زیادہ تر انھی سرمایہ داروں سے رقم وصول کر کے دیا جاتا ہے۔ ستم یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس ستم ظریفی کا کوئی بدل نہیں ہے! اسلامی نظامِ ریاست عوام سے غیر سودی قرضے مانگے گی اور ساتھ ہی پبلک سیکٹر کے کارخانوں میں لگانے کے لیے سرمایہ نفع میں شرکت کے اصول پر بھی جمع کرے گی۔ شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول ترقیاتی اسکیموں کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی قابلِ اعتماد بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ اگر دنیا کے دوسرے ممالک بھی غیر سودی نظام اختیار کر لیں تو بین الاقوامی مالی تعلقات کو بھی انھی بنیادوں پر منظّم کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی ریاست کا معاشی کردار

حقوقِ ملکیت کے ساتھ وابستہ حدود و فرائض، کاروبار کے آداب، تعاون کی ترغیب اور ظلم و ضرر رسانی کی ممانعت، نیز زکوٰۃ کی فرضیت اور سود کی حرمت، ان امور کو ایک دوسرے سے ملا کر دیکھیے تو معیشت کا ایک مخصوص مزاج سامنے آتا ہے اس مزاج میں مزید پختگی ان ہدایات سے پیدا ہوتی ہے، جو اسلام نے ریاست کے بارے میں دی ہیں۔

اسلام میں ریاست ایک بامقصد ادارہ ہے، جسے معاشرے کی فلاح و بہبود سے متعلق چند متعین ذمّے داریاں ادا کرنی ہیں۔ ان ذمّے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے وسیع اختیارات دیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی فرد و اجتماع کے مابین توازن برقرار رکھنے کے لیے ریاست کو چند حدود اور آداب کا پابند بھی کیا گیا ہے، اسلامی ریاست بندگانِ خدا پر خدا کا دین نافذ کرنے والا ادارہ ہے۔ ساتھ ہی وہ افرادِ معاشرہ کا نمائندہ ادارہ بھی ہے، جو ان کی مرضی کے مطابق ان کی فلاح و بہبود سے متعلق وہ تمام خدمات انجام دینے پر مامور ہے، جو معاشرہ اس کے سپرد کرے۔ افراد کو ایک دوسرے کی دست درازی سے محفوظ رکھنا اور اجتماعی مفاد کو افراد کی شعوری یا غیر شعوری ضرر رسانی سے بچانا بھی اس کی ایک اہم ذمّے داری ہے۔ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمّے داری

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ، اپنے شہریوں کی تعلیم و تربیت، ملک کا دفاع، سارے انسانوں کو حق کی طرف دعوت دینا، اس سلسلے میں اگر ضرورت پڑے تو جہاد کرنا، نیز ملک میں عدل وقسط اور امن وامان کے قیام کے ذریعے ہر فرد کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ رکھنا ہے۔ اس کی معاشی ذمّے داریوں میں ازالۂ فقر اور کفالت عامہ، معاشی ترقی کا اہتمام اور تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا شامل ہے۔

کفالتِ عامّہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ملک کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج شامل ہیں۔ عام طور پر افراد آزادیِ کاروبار اور حقوقِ ملکیت سے کام لیتے ہوئے اپنی ضروریات خود پوری کرلیں گے۔ ریاست کوشش کرے گی کہ مواقعِ روزگار میں توسیع ہو اور افراد کو کسبِ معاش کے لیے سازگار فضا میسر آئے۔ اسلامی معاشرے میں مال دار لوگ رضا کارانہ طور پر ناداروں کی مدد کرتے رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی فرد اس حال میں پایا جائے کہ اس کی بنیادی ضروریات نہ پوری ہو رہی ہوں تو اسلامی ریاست کی ذمّے داری ہے کہ اس کی مدد کرے تاکہ دار الاسلام میں کوئی فرد بھوکا، ننگا، بے ٹھکانہ اور مرض کی حالت میں بے علاج نہ رہے۔ اس اصول پر تفصیلی استدلال کے لیے مناسب کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہاں ہم صرف ایک اسلامی حکمراں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ایک گفتگو نقل کریں گے، جو گواہ ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ اس ذمّے داری کا پورا شعور رکھتے تھے۔

> ”ان کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ ایک بار میں آپ کے پاس گئی آپ جائے نماز پر تھے اور آنسو ٹپک ٹپک کر ڈاڑھی کو تر کر رہے تھے، میں نے پوچھا کیا بات ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے پوری امت محمدیہ کی ذمے داری اٹھا رکھی ہے۔ لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدّیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو بہ کثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مال دار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں میں اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان سب کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلے میں ان لوگوں کے وکیل محمد ﷺ ہوں گے۔ مجھے ڈر لگا کہ جرح میں میرا عذر ثابت نہ ہو سکے گا اور اپنے اوپر ترس کھا کے رونے لگا[1]“ (ابن اثیر: الکامل جلد ۵، صفحہ ۲۴)

کفالت عامّہ کی ذمّے داری سے اسی صورت میں عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے جب ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ یہ اہتمام اسلامی مملکت کے فوجی استحکام اور اس کی دفاعی قوت کے لیے بھی ناگزیر ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال:۶۰)

''اور ان (دشمنوں) کے لیے جتنی قوت تم سے ممکن ہو فراہم کر رکھو۔''

دورِ جدید میں اسلامی مملکت کے لیے معاشی تعمیر و ترقی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اگر اسے آج کی دنیا میں اپنی تہذیبی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے داعیانہ کردار ادا کرنا ہے تو معاشی طور پر خود کفیل اور اجنبی طاقتوں کی معاشی امداد سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ سچے اسلامی حکمرانوں نے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کو ہمیشہ اپنی ذمّے داری سمجھا ہے۔

یہ بات کہ اسلامی ریاست ایسی مالی پالیسی اختیار کرے گی، جس کے نتیجے میں سماج میں دولت اور آمدنی کی تقسیم کے اندر پایا جانے والا تفاوت کم ہو متعدد نصوص سے ثابت ہے۔ دولت کے ارتکاز کا خلافِ اسلام ہونا اس مشہور آیت سے ثابت ہے، جس میں تقسیم فئے کا ضابطہ بیان کر کے اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ مال تمھارے مال داروں ہی کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے۔ ''كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ'' (الحشر:۷)

انفرادی حقوقِ ملکیت اور آزادیِ کاروبار میں ریاست کی مداخلت

اوپر ان وسیع اختیارات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، جو عدل کے قیام اور ضروری مقاصد کے حصول کے لیے اسلامی ریاست کو دیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر مناسب ہوگا۔ مگر اس سے پہلے یہ یاد دلا دینا ضروری ہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل شہریوں کے آزادانہ انتخاب کے نتیجے میں ہوتی ہے اور انھیں حکومت کے کارکنوں کے مسلسل احتساب اور اسلام کی خلاف ورزی کی صورت میں انھیں معزول کر دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہے کہ تمام اہم امور میں باہمی مشورہ کے ذریعے فیصلے تک پہنچنے کا طریقہ اختیار کرے۔ ساتھ ہی ہر شہری کو ایک ایسی عدلیہ سے کتاب و سنت کے مطابق انصاف چاہنے کے مواقع میسر ہونے چاہئیں، جو حکومتِ وقت کے دباؤ سے آزاد ہو۔

مالکانہ حقوق کے استعمال اور کاروباری سرگرمیوں کے ضمن میں ریاست کا کام یہ ہے کہ وہ انھیں متعلقہ حدود سے متجاوز نہ ہونے دے اور افراد کو ان حقوق سے وابستہ ذمّے داریاں بجا لانے

کا پابند رکھے۔ یہ ایک اصولی بات ہے، جس کا اطلاق تمام مالکانہ حقوق اور کاروباری سرگرمیوں پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی سوے تدبیر، ناعاقبت اندیشی، کم عقلی یا اخلاقی فساد کی وجہ سے اپنی دولت کو ناروا طریقے سے تباہ کر رہا ہو تو حکومت اس کی دولت کو اپنی نگرانی میں لے کر اس کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرے گی۔ مسلسل اسراف کے ارتکاب پر مزید خرچ کرنے سے روکا جا سکتا ہے، نیز سامانِ تعیش کے استعمال کی ممانعت، یا بالواسطہ ہمّت شکنی کے طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ حکومت زرعی، صنعتی اور تجارتی کاروبار کا مسلسل احتساب کرتی رہے گی اور کاروباری افراد اور اداروں کو معروف کے مطابق کام کرنے پر مجبور کرے گی۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ ''حسبہ'' یا ''احتساب'' کے نام سے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی خلافتِ راشدہ اور صالح حکمرانوں کے دور میں برابر جاری رہی ہے۔

عام حالات میں اشیاء کی قیمتوں اور اجرت، کرایہ اور نفع کی شرحوں کی تعیین طلب و رسد کی قوتوں کے تعامل سے ہوگی۔ اسلامی معاشرے میں خیر خواہی اور تعاون باہمی کے پیش نظر توقع کی جاتی ہے کہ یہ قیمتیں اور شرحیں منصفانہ ہوں گی اور حکومت کو مداخلت کی ضرورت نہ پڑے گی۔ مگر غیر معمولی حالات میں اسلامی حکومت قیمتوں اور شرحوں کی تعیین بھی کر سکتی ہے تاکہ عوام کو کاروباری طبقے کی بے جا نفع اندوزی اور ضرر رسانی سے بچایا جا سکے۔ اس مداخلت کی ضرورت احتکار، یعنی قیمتیں چڑھانے کے لیے کی جانے والی ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری کے پیشِ نظر ہو سکتی ہے۔ اسلامی حکومت ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری کے خلاف دوسرے اقدامات بھی کرے گی۔

اسلامی ریاست کو دفاعی ذمّے داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور ان فلاحی خدمات کی انجام دہی کے لیے، جو شریعت نے اس کے ذمہ کی ہیں یا افراد معاشرہ اس کے ذمہ کریں۔ وسیع مالی وسائل درکار ہوں گے۔ ریاست کی آمدنی کے عام ذرائع سرکاری زمینوں کا کرایہ یعنی خراج، عشر و زکوٰۃ کی آمدنی کا ایک حصہ وغیرہ۔ دور جدید میں ان ذمے داریوں کی ادائی کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ شریعت نے ایسے حالات میں جب کہ اہم اجتماعی کاموں کے لیے ریاست کو مزید مال کی ضرورت ہو اُسے یہ اختیار دیا ہے کہ مال داروں سے ان کی فاضل دولت کا ایک حصہ طلب کرلے۔ افراد معاشرہ بہ طور خود جو فلاحی خدمات ریاست کے سپرد کریں ان کے مصارف پورا کرنے کے لیے عوام کو مزید محاصل ادا کرنے ہوں گے۔ دورِ جدید کی اسلامی ریاست شرعی

محاصل کے علاوہ مزید محاصل بھی عائد کرے گی، جو دولت و آمدنی پر بھی لگائے جاسکتے ہیں اور اشیاء و خدمات پر بھی۔

جس طرح اسلامی ریاست کو اجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے مزید محاصل عائد کرنے کا اختیار ہے اسی طرح ناگزیر حالات میں اسے زمینیں، کارخانے، یا دوسری اشیاء خریدنے، یا کرایہ پر حاصل کرنے یا عاریتاً لینے میں، یا سرمایہ قرض لینے میں جبر کے استعمال کا بھی اختیار ہے۔ ناگزیر حالات میں جنگ، قحط، سیلاب یا وبائے عام بھی داخل ہیں اور اہم معاشی منصوبوں کی تکمیل کے تقاضے بھی۔ البتہ اس اختیار کا استعمال اس امر پر موقوف ہے کہ متعلقہ فیصلے شورائی طریقے پر کیے جائیں۔ عام ضرر کے ازالے اور اہم اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے اسلامی ریاست تحدید ملکیت کا طریقہ بھی اختیار کرسکتی ہے۔ دورِ جدید میں یہ طریقہ ان زمینداریوں اور جاگیرداریوں کے پیشِ نظر اختیار کرنا ضروری ہوگا، جو بعض تاریخی حوادث کے نتیجے میں وجود میں آ گئی ہیں اور اسلامی نظام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔

اسلامی ریاست پیدا آور کاروبار کرسکتی ہے۔ قرنِ اوّل میں بھی ریاست کے زیرِ اہتمام زرعی کاروبار کی نظیریں ملتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صنعتی دور نہ تھا کہ کارخانے قائم کرنے کی مثالیں بھی مل سکیں۔ اسلامی ریاست اپنی دفاعی اور فلاحی ذمّے داریوں کے پیشِ نظر اس بات کی ضرورت محسوس کرسکتی ہے کہ بعض صنعتوں کو قومی دائرے میں رکھے اور ان میں نجی کاروبار ممنوع قرار دے دے۔ مرکزی بینک کاری، انشورنس، ڈاک و تار کا محکمہ، وغیرہ صنعتوں سے اہم فلاحی خدمات وابستہ ہیں۔ ایٹمی توانائی، اسلحے اور سامانِ جنگ، کلیدی اہمیت رکھنے والی معدنیات مثلاً پٹرول وغیرہ سے متعلق صنعتوں کو ذاتی مفاد کے لیے کیے جانے والے کاروبار کے حوالے کردینے سے اہم اجتماعی مفادات خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ چناں چہ بعض اوقات اس کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے کہ اس قسم کی کوئی صنعت پہلے پرائیویٹ سیکٹر میں رہی ہو پھر اسے قومی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا جائے۔ فیصلے کا مدار انفرادی مفادات کے مقابلے میں اجتماعی مفادات و مصالح کے تقاضے ہوں گے اور متعلقہ افراد کے ساتھ معاوضہ دینے میں پورا انصاف برتا جائے گا۔ اسلام ایک فلسفے کے طور پر ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کا قائل نہیں ہے۔ لہٰذا کسی صنعت کو تحویل میں لینے کا فیصلہ تمام تر حالات اور ضروریات پر مبنی ہوگا، یہ فیصلہ بھی شورائی طریقے سے کیا جائے گا اور اس کے نفاذ میں عدل و انصاف کے اسلامی اصولوں کی پابندی کی جائے گی۔

معاشی تعمیر و ترقی کے لیے منصوبہ بندی، کنٹرول اور قومی تحویل میں لینے جیسے اقدامات کے سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام میں اہم ترین قدر ملکیت کے بارے میں کوئی فلسفہ نہیں ہے خواہ فلسفہ اجتماعی ملکیت کا ہو یا انفرادی ملکیت کا۔ اصل اہمیت اس مقصد کو حاصل ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے تمام بندوں کو فقر و فاقہ، خوف و ہراس، حرمان و یاس، ضعف و ذلت اور انسانوں کے جبر و قہر سے آزاد زندگی میسر ہو، جس میں فرد انسانی صرف خدا کا بندہ ہو، اس کا ضمیر ہر دباؤ سے آزاد ہو، اس کی مادّی ضروریات پوری ہوں اور اسے روحانی تزکیہ، اخلاقی ارتقاء اور اپنی ذات، خاندان، ملک اور پوری انسانیت کی خدمت کے وسیع ترین مواقع حاصل ہوں۔ ایسا معاشرہ برپا کرنے کے لیے حسب ضرورت ثانوی قدر اور ذیلی مصالح کی جزوی قربانی دی جاسکتی ہے۔ مگر اسلامی نظام اقدار کا مجموعی توازن درہم برہم نہیں کیا جاسکتا۔ معاشی ترقی کے لیے آزادی کی یا آزادی کے لیے عوام کی معاشی فلاح کی مکمل قربانی دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، البتہ دونوں کو ساتھ حاصل کرنے کے لیے کچھ کسر و انکسار ناگزیر ہے، توازن کی یہی طلب دورِ جدید میں معاشی ترقی کے لیے منصوبہ بندی کرنے والی اسلامی ریاست کی رہ نمائی ہوگی۔

اسلام اور دوسرے معاشی نظام

ہم نے اسلام کے معاشی نظام کے انفرادی اور اجتماعی، اخلاقی اور قانونی، ہر پہلو پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مجموعی طور پر جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ منفرد اور ممتاز بھی ہے اور اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ بھی ہے۔ اگر کسی پہلو کی نسبت سے کسی دوسرے نظام سے کوئی مماثلت محسوس کی جائے تو بھی یہ مماثلت جزوی اور سطحی ہوگی۔ کوئی دوسرا نظام دراصل مکمل نظام نہیں ہے بلکہ چند اصولوں کو غیر معتدل اور نامناسب حد تک اہمیت دے دینے سے ایک نظام کا دھوکہ ہوتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری کا سارا فکر حقوقِ ملکیت اور آزادیِ کاروبار کے گرد گھومتا ہے، ریاست کے معاشی کردار کے بارے میں اس کا موقف منفی اور مبہم ہے۔ زمانہ آگے بڑھا تو ایسی اصلاحات کی گئی ہیں، جن سے کچھ اعتدال پیدا ہو اور اجتماعیت کے تقاضے پورے ہوں۔ نظامِ اشتراکیت یا سوشلزم کا سارا زور ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت اور ریاست کے معاشی کردار پر ہے، انفرادی حقوق اور معاشی زندگی میں افراد کے باہمی تعلقات کے بارے میں اس کا رویّہ منفی اور مبہم ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ کچھ اعتدال پیدا ہوا ہے اور ذاتی ملکیت، آزادیِ کاروبار اور ذاتی نفع کو معاشی جدوجہد کا محرک بنانے کی کچھ گنجائش نکالی گئی ہے۔ لیکن یہ

سمجھنا سادہ لوحی ہے کہ انتہا پسندی میں کمی اور جزوی اصلاحات دنیا کو ایک معتدل اور متوازن معاشی نظام عطا کرنے جارہی ہیں، جو اسلام کے معاشی نظام سے بہت قریب ہوگا۔

دنیوی زندگی کے بارے میں صحیح رویّہ، کائنات کی موجودات کے سلسلے میں مناسب برتاؤ اور دوسرے انسانوں سے موزوں تعلقات یہ چاہتے ہیں کہ حیات، کائنات اور انسان کے بارے میں آدمی کا فکر صحیح ہو۔ غلط افکار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تعلقات، برتاؤ اور رویّے غلط ہی ہوسکتے ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں حیات، کائنات اور انسان کے بارے میں ایک ہی فکر رکھتے ہیں۔ دونوں خدا، آخرت اور ہدایتِ الٰہی کے تصوّر سے عاری ہیں اور مادّی قدروں ہی کو اعلیٰ ترین اقدار سمجھتے ہیں۔ طبقاتی کش مکش ہو یا حریفانہ مسابقت، ایک پارٹی کی آمریت ہو یا بڑے کاروباریوں کی اجارہ داری، دولت جمع کرنے کی حرص ہو یا قوت واقتدار کی ہوس، سب غلط عقائد کی پیداوار ہیں۔ جب تک زندگی کا بنیادی قانون ہدایت الٰہی پر مبنی نہ ہو صنف ونسل، زبان ورنگ اور طبقہ وپیشہ کی بنیاد پر کیا جانے والا امتیازی سلوک نہیں ختم ہوسکتا جب تک انسانوں میں ایک خاندان کے افراد اور ایک خدا کے بندے ہونے کا تصوّر مساوات، مواساۃ اور تعاون کے رجحانات نہ پیدا کرے۔ استحصال، کش مکش اور تباہ کن مسابقت سے نجات حاصل ہونا دشوار ہے۔

اس پس منظر میں دیکھیے تو اسلام کا معاشی نظام ایمان سے محروم دو انتہاؤں کے درمیان جھولتی ہوئی اس دنیا کے لیے ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ خدا کی دین ہے اس کو قبول کرنے میں ہر قوم یکساں فخر محسوس کرسکتی ہے۔ یہ عقیدہ وضمیر سے وابستہ نظام صرف قانون کے سہارے نہیں قائم ہوتا۔ یہ ایک جامع نظامِ زندگی کا ایک پہلو ہے۔ اس لیے انسانی زندگی میں توازن برقرار رکھتا ہے، یہ سب کے پروردگار کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اس میں کسی صنف، طبقہ یا گروہ کے ساتھ بے انصافی نہیں پائی جاسکتی۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اسے سارے انسانوں تک پہنچائیں۔

یہ مقالہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے منعقد کردہ اسلام سے متعلق کل ہند سیمنار میں ۱۴ر مارچ ۱۹۶۹ کو پڑھا گیا